پاکستان میں انصاف اور عدلیہ

اعتماد کا بحران' بحران سے نکلنے کا راستہ

عبدالغفار ○

برعظیم پاک و ہند پر قبضے کے فوراً بعد انگریزوں نے وسیع پیمانے پر قانون سازی کا کام کیا اور متعدد بنیادی قوانین وضع کیے۔ عدالتی کارروائیوں کو ضبط میں لانے کے لیے ضابطۂ دیوانی اور ضابطۂ فوجداری مرتب کر کے نافذ کر دیے گئے۔ عدالتوں کی اعانت کے لیے برعظیم میں پہلی مرتبہ پیشۂ قانون وجود میں لایا گیا۔ انگریز چاہتے تھے کہ وہ ایسا نظام وضع کریں جس سے ان کی حکومت کی بنیادیں مستحکم ہو سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان کی اپنی زبان اور اپنے قوانین ہی موزوں ثابت ہو سکتے تھے' لہٰذا انگریزوں نے اولین فرصت میں نئے نظام کی قیام کی کوششیں تیز کر دیں۔

مطالعے اور تجزیے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزی دور کا نظامِ عدل پیچیدہ اور مہنگا ہے' نالشوں میں اضافے کا باعث ہے' مقدمہ بازی کے لامتناہی سلسلے کو متحرک رکھنے میں معاونت کرتا ہے اور پھر یہ نظام انصاف مہیا کرنے میں اتنی تاخیر روا رکھتا ہے کہ مقدمہ بازی ختم نہیں ہوتی مگر نالش کنندگان کی زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد جس ادارے کی اصلاح کی سب سے پہلے اور سب سے زیادہ فکر کرنی چاہیے تھی وہ عدلیہ کا ادارہ ہے۔ لیکن بوجوہ آج ملک میں عام آدمی کے لیے انصاف کا

○ لیکچرار اسلامیات' گیریژن ڈگری کالج' لاہور

حصول سب سے مشکل بن گیا ہے۔ پولیس کی بدعنوانی اپنی جگہ، لیکن عدلیہ کا ادارہ انصاف فراہم کرنے اور اپنے آپ کو مفادات، بااثر عناصر کے دباؤ اور خود حکومت وقت کی دراندازیوں سے بالا رکھ کر اصلاح احوال کے لیے جو کردار ادا کر سکتا ہے وہ اس میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روز بروز عوام کا اعتماد پورے نظامِ عدل پر، نچلی سطح سے لے کر اعلیٰ ترین سطح تک بری طرح مجروح ہوا ہے۔ اس ضمن میں قوم جن مسائل سے دوچار ہے ان میں سے اہم ترین یہ ہیں:

اوّلاً یہ کہ قوانین کی تو بھرمار ہے مگر قانون کا احترام عنقا ہے۔ نافذ العمل قوانین کی اکثریت سامراجی دور کا ورثہ ہے اور آزادی کے حصول کے بعد طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان قوانین میں آزادی کے تقاضوں اور اسلامی قانون و روایات سے ہم آہنگی کے حصول کے لیے کوئی ہمہ گیر تبدیلی نہیں کی گئی۔ دسیوں قانونی کمیشن بنے ہیں اور اسلامی نظریاتی کونسل اور اعلیٰ عدالتی کمیشن نے سفارشات پیش کی ہیں، لیکن حکومت اور پارلیمنٹ نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔ حالانکہ ۱۹۷۳ء کے دستور کے تحت بنیادی حقوق کے نقطۂ نظر سے ملک کے قوانین کی اصلاح دو سال کے اندر، اور اسلامی احکام و قوانین کے اعتبار سے سات سال کے اندر مکمل ہو جانا چاہیے تھی۔

دوسری بنیادی چیز ہر سطح پر عدلیہ میں ججوں کے انتخاب، ان کی تربیت اور احتساب کے نظام کا غیر مؤثر ہونا ہے۔ ججوں کے انتخاب میں دو ہی بنیادیں مرکزی حیثیت رکھتی ہیں، ایک قابلیت اور دوسری دیانت۔ دوسرے شعبوں کی طرح عدلیہ میں بھی تقرر کا نظام نہایت ناقص، سیاسی اور دوسری مصلحتوں کے تابع ہے جس کے نتیجے میں ہر سطح پر عدلیہ میں ایسے عناصر بھی در آئے ہیں جن کی صلاحیت اور دیانت دونوں شک و شبہے سے بالا نہیں۔ عدلیہ کو جس تربیتی نظام اور جس نظامِ احتساب کی ضرورت ہے وہ سخت غیر مؤثر ہے۔ دستور نے اعلیٰ عدالتوں کے لیے تقرری کا جو نظام تجویز کیا ہے اس پر بھی نظرثانی کی ضرورت ہے۔

○ **فوری مجوزہ اقدامات**: حالیہ تجربات اور دنیا کے دوسرے ممالک کے اقدامات کی روشنی میں جن چیزوں کی فوری ضرورت ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- عدلیہ کو مکمل طور پر انتظامیہ سے آزاد کیا جائے۔ اس سلسلے میں طے شدہ پالیسیوں پر مکمل طور پر عمل ہونا چاہیے جس میں مرکزی وزارتِ قانون میں ججوں کا بطور سیکرٹری اور صوبوں کے

چیف جسٹس صاحبان کا بطور قائم مقام گورنر تقرر کو ختم کرنا شامل ہونا چاہیے۔

۲- ججوں کے تقرر کے لیے دستوری ترمیم کے ذریعے بالکل آزاد ایک ادارہ نیشنل جوڈیشل کمیشن قائم کیا جائے جو مرکز اور صوبوں کی سطح پر ججوں کے تقرر کے لیے صدرِ مملکت کو ایک پینل کی سفارش کرے اور صدر اسی پینل میں سے تقرر کرنے کا پابند ہو۔

۳- ججوں کی تعداد میں بھی ضرورت کے مطابق اضافے کی ضرورت ہے۔ اس وقت ملک میں مقدمات کی بھرمار ہے اور پورے ملک میں ڈیڑھ لاکھ سے زائد مقدمات جن میں سے ۵ ہزار سے زائد سزاے موت کے مقدمات ہیں، زیرسماعت ہیں۔ انصاف میں تاخیر، انصاف سے محرومی کی ایک شکل ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں جن میں ججوں کی تعداد میں کمی، ججوں کی آسامیوں کا بلاجواز خالی رکھنا (اس وقت اعلیٰ عدالتوں میں مجموعی طور پر ۲۶ سیٹیں خالی ہیں۔ سپریم کورٹ میں ۴، لاہور ہائی کورٹ میں ۱۲، سندھ میں ۶، پشاور میں ۲، اور بلوچستان میں ۱۲) وکیلوں کا بار بار مقدمات کی سماعت ملتوی کرانا، عدالت کے انتظامی نظام میں کرپشن اور ناقص کارکردگی، ججوں کی کارکردگی کے جائزے اور احتساب کے نظام کی کمزوریاں قابلِ ذکر ہیں۔ دنیا بھر میں قاعدہ ہے کہ ایک مقدمہ جب ضروری تفتیش مکمل ہونے کے بعد شروع ہوجاتا ہے تو پھر اسے فیصلے تک تسلسل سے جاری رکھا جاتا ہے۔ مقدمات کے فیصلے میں تاخیر کی ذمہ داری عدالت، پولیس، وکلا اور عوام سب پر آتی ہے اور اس کے مؤثر تدارک کی ضرورت ہے۔

۴- ججوں کی مدت ملازمت پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد مختلف بامعاوضہ ذمہ داریوں کے لیے ان کے دستیاب ہونے کے بھی اچھے نتائج سامنے نہیں آتے ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ ریٹائرمنٹ کی عمر بڑھائی جائے، پنشن میں اتنا اضافہ ہو کہ ان کو ملازمت کی حاجت نہ رہے اور ان کی صلاحیتوں سے صرف تعلیم و تحقیق اور نیم عدالتی نوعیت کے کاموں میں فائدہ اٹھایا جائے، جس کی تنخواہ نہ ہو بلکہ ضروری سہولیات فراہم کی جائیں۔

۵- ہر سطح پر ججوں کے تقرر، ترقی اور احتساب کا نظام قائم کیا جائے۔

۶- ہر سطح پر ججوں کے لیے تربیت، تحقیق اور کارکردگی کو بہتر بنانے کے لیے ضروری انتظامات کیے جائیں۔

۷- عدلیہ سے متعلق افراد کو خود بھی اپنے احتساب کی فکر کرنی چاہیے۔ ماضی میں جج حضرات میں سے کچھ نے جس طرح قانون اور عدل پر سیاسی اثرات کو قبول کیا، وہ عدلیہ پر عوام کے اعتماد کو مجروح کرنے کا ذریعہ بنا ہے۔ جج حضرات جس طرح سیاسی اور سماجی محفلوں میں شریک ہو رہے ہیں، اس سے ان کی غیر جانب داری کا تاثر مجروح ہو رہا ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ جس طرح کا سیاسی کردار ادا کر رہے ہیں وہ ان کے ماقبل کے دور کے بارے میں بھی لوگوں کے اعتماد پر اثر انداز ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں آداب و روایات کی پاس داری کی ذمہ داری خود عدلیہ پر ہے تاکہ اس کا کردار ہر طرح کی انگشت نمائی سے بالا رہے۔

پاکستان کے دستور کے تحت عدلیہ کی ذمہ داری صرف قانون کی حفاظت نہیں بلکہ دستور کی اطاعت اور حقوق انسانی کے سلسلے میں عوام کے حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ اس پس منظر میں عدلیہ کا ہر قسم کی سیاسی جانب داری سے پاک ہونا، حکومت کے اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور دیانت اور ذہانت کے اعلیٰ ترین معیارات پر پورا اترنا ازبس ضروری ہے۔

○ **فوری اور بلا تاخیر انصاف کا حصول:** آج پورے ملک میں ایک واویلا ہے کہ انصاف میں سخت تاخیر ہو رہی ہے اور انصاف کا کھلے بندوں خون ہو رہا ہے۔ انصاف میں تاخیر جسدِ قومی میں ناسور کی طرح برابر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور ہمارے سارے عدالتی نظام کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا اور بے اعتبار کر رہا ہے۔ لہٰذا حکومت کا فریضہ محض قوانین وضع کرنے اور عدالتی کارروائیوں کے ضوابط مقرر کر دینے سے پورا نہیں ہوتا، بلکہ اس کو وقتاً فوقتاً یہ بھی جائزہ لینا چاہیے کہ لوگوں کو جلد انصاف مہیا ہو رہا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس کی وجوہ کا پتا لگا کر فوراً تدارک کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں دیگر اقدامات کے ساتھ ساتھ عدالتی معائنے کے ادارے کو زیادہ سے زیادہ فعال اور سرگرم ہونا چاہیے اور اعلیٰ عدالتوں کو مستقلاً معائنہ کرتے رہنا چاہیے۔ اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں عدالتوں کے معائنے کا نظام نہایت ہی ناقص ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عدالت عالیہ کا کم از کم ایک جج مستقل طور پر ضروری عملے کے ساتھ اس کام پر مامور کیا جائے کہ وہ اطلاع اور بغیر اطلاع ماتحت عدالتوں کے معائنے میں مسلسل مصروف رہے۔ اس کے علاوہ ڈسٹرکٹ و سیشن جج ضلع کی ماتحت عدالتوں کے معائنے پر مامور ہوں۔ اس

طرح ہر عدالت کا سال میں متعدد بار معائنے کا انتظام ہو جانے سے عدالتی کارکردگی بہتر ہوگی۔

○ **ججوں کی تعداد میں اضافہ:** حصولِ انصاف میں تاخیر کا ایک سبب عدالتوں میں ججوں کی کمی ہے۔ ہر جج کے پاس اتنے مقدمات ہوتے ہیں کہ وہ سوائے آیندہ کی پیشی دینے کے کوئی قابلِ ذکر کارروائی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکامِ عدالت کی تعداد میں مناسب اضافہ کیا جائے کیونکہ ان کی کمی کے سبب مقدمات کا تصفیہ ایک طویل اور ہمت شکن عمل ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے کئی صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں، مثلاً:

۱- مناسب تعداد میں تقرری کا معیار میرٹ اور اعلیٰ کردار ہونا چاہیے، مگر عمر کی قید پر زیادہ سختی سے عمل نہیں ہونا چاہیے۔

۲- بعض اوقات عدالتیں مدتوں خالی پڑی رہتی ہیں، اس کا سدباب کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ایڈہاک جج یا مجسٹریٹ مقرر کیے جانے کے لیے وکلا کی ایک فہرست مرتب کی جاسکتی ہے جو حکامِ عدالت کی رخصت یا ترقی کی صورت میں عارضی طور پر عدلیہ میں تعینات کیے جائیں۔ مستقل آسامیوں کے پُر کرنے میں بھی انھیں ترجیح دی جائے۔ اس طرح ان کا تجربہ بڑھے گا، اور ان کے کردار اور کارکردگی کا امتحان بھی ہوتا رہے گا، نیز یہ کہ کسی عدالت کا کام بھی نہیں رُکے گا۔

○ **چھوٹی عدالتوں کا وقار بلند کیا جائے:** چھوٹی عدالتوں میں حالات ناگفتہ بہ ہیں۔ مناسب کورٹ رومز نہیں ہیں، ضروری سہولتیں حاصل نہیں۔ مزید یہ کہ ماتحت عدالتوں کے ساتھ ریاستی ڈھانچے کا سلوک کچھ ہمت افزا نہیں ہے۔ انھیں اپنے ہم رتبہ افسران، جیسے مال اور سیکرٹریٹ افسران کے مقابلے میں امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے نچلی عدالتوں میں اچھے کارگزار اور دیانت دار اشخاص آنے سے گریز کرتے ہیں۔ جو لوگ مامور ہیں وہ اکثر اوقات بددیانتی کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ان سے کم اہلیت والے وکلا ان سے زیادہ خوش حال ہیں۔ اس لیے اچھے وکلا عدالتوں کی سربراہی کے لیے آگے نہیں آتے۔ اس لیے عدالتوں کو مناسب تحفظ اور کافی سہولتیں فراہم کی جائیں، نیز انھیں مالی مشکلات سے بچایا جائے۔

○ **کورٹ فیس اور دیگر اخراجات:** انصاف رسانی حکومت کا ایک اہم فریضہ ہے جس کی تائید نصوص سے صراحتاً ہوتی ہے کہ عدل رسانی حکومت کا دینی فریضہ ہے۔ قرآنی آیات،

مستند احادیث اور ائمہ مجتہدین کی آرا کے مطالعے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی حکومت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ نسل، جنس اور رنگ کی تمیز کیے بغیر تمام باشندوں کو بلا اُجرت انصاف کے حصول کی ضمانت دے۔ لہٰذا حکومت دیوانی، فوجداری اور آئینی مقدمات میں جتنی جلدی ممکن ہو، کورٹ فیس کی وصولی کے نظام کو ختم کرے۔ یہ بات درست ہے کہ موجودہ قانون مجموعہ ضابطہ دیوانی میں مفلس مدعی کی طرف سے اپنے آپ کو مفلس ثابت کر دینے کے بعد دعویٰ دائر کرنے کے مرحلے پر کورٹ فیس لگانے کی پابندی عائد نہیں کی جاتی لیکن مقدمہ دائر کرنے سے پہلے سائل کو اپنی مفلسی ثابت کر کے کورٹ فیس کے بغیر مقدمہ دائر کرنے کی اجازت حاصل کرنے کا طریقہ انتہائی پیچیدہ ہے جس سے مدعیان کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچتا۔ لہٰذا اس طریقۂ کار کو بھی سہل بنانے کی ضرورت ہے۔ (کوڈ آف سول پروسیجر، قاعدہ:XLIV)

○ **پیشہ ورانہ وکالت کی حوصلہ شکنی:** اگر کوئی مدعی اپنے کسی حق کے اثبات و مطالبے کے لیے دعویٰ کرنا چاہے یا مدعا علیہ کو جواب دعویٰ کے لیے عدالت میں حاضر ہو کر جواب دینا ہو تو جس طرح یہ دونوں خود جا سکتے ہیں اسی طرح وہ اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا کر بھی بھیج سکتے ہیں، یعنی مدعی کی جگہ وکیل دعویٰ دائر کرے اور مقدمہ کی باقی کارروائی چلائے یا مدعا علیہ کے بجائے اس کا وکیل عدالت میں جا کر دعوے کا دفاع کرے اور آخر تک تمام کارروائی چلائے۔ اگر فریقین کو اس وکیل پر کوئی اعتراض نہ ہو تو یہ وکیل درست اور جائز ہے لیکن بغیر کسی معقول عذر کے وکیل بنانا مستحسن نہیں۔

اگر اس قسم کے مستقل پیشہ ور وکلا موجود ہوں جو مدعی سے فیس لے کر قانونی موشگافیوں، فقہی جزئیات اور شاذ اقوال نکال کر قاضیوں اور ججوں کو مرعوب اور متاثر کرنے اور درست شرعی رہنمائی کے بجائے اپنے مقدمے کو کامیاب کرنے کے سارے ماہرانہ حربے استعمال کریں تو اس طریقے سے عادلانہ نظام قائم نہیں ہو سکے گا۔ اگر خدا کا خوف دامن گیر نہ ہو اور مطمح نظر محض فیس کا حصول ہو تو اسلامی قانون ہی کے نام پر بھی ظلم و جور کے دروازے کھولے جا سکتے ہیں۔ پوری اسلامی تاریخ میں موجودہ دور کی طرح وکالت کا پیشہ ایک مستقل ذریعہ اکتسابِ رزق کے طور پر ثابت نہیں۔ اسلامی نظامِ عدل کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قاضیوں اور ججوں کی مجالس کے

اردگرد سیکڑوں اشخاص شرعی قوانین و احکام کی مہارت کی اسناد اور لائسنس حاصل کیے ہوئے اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کوئی گاہک آئے گا۔ خلاصے کے طور پر اعلاء السنن کی ایک عبارت درج کی جاتی ہے:

(ترجمہ:) جو کوئی موجودہ زمانے کے وکیل حضرات کے حالات کا آنکھوں دیکھے مشاہدہ کرے کہ وہ کس طرح باطل کو حق ثابت کرتے ہیں اور حق کو باطل بنا دیتے ہیں تو اس کو اس بارے میں کوئی شک وشبہہ نہیں رہے گا کہ امام ابوحنیفہؒ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ بالکل درست تھا اور یہ کہ سنت نبویؐ کے فہم میں وہ کس قدر باریک بین اور حقیقت شناس تھے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ اگر وکالۃ بالخصومات کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے اور فیصلہ کرنے والے قاضی حضرات مدعی اور مدعا علیہ کی بات بلاواسطہ خود ان کی زبانی سنیں اور گواہی دینے والے خود براہِ راست ان کے سامنے گواہی دیں اور وکلا حضرات گواہوں کو پٹی نہ پڑھایا کریں تو قاضیوں کے سامنے جب مقدمات پیش ہوجائیں تو پہلے ہی دن اس مقدمے میں واضح ہوجائے گا کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق۔ اکثر باطل کی پہچان میں تاخیر واقع ہوجاتی ہے اور جلد فیصلہ نہیں ہوسکتا تو اس کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ وکلا حضرات خواہ مخواہ تلبیس کرتے ہیں، حق کے خلاف باطل کی حمایت میں حیلے بیان کرتے ہیں اور اپنی فنی مہارت سے حق و باطل کو خلط ملط کر کے معاملے کو مشتبہ بنا دیتے ہیں۔ اصل فقیہہ وہ ہوتا ہے جو اپنے زمانے کے حالات کو دیکھ کر اور ان کو پیش نظر رکھ کر احکام بتا دیا کرے۔ گویا فقاہت کا تقاضا یہی ہے کہ پیشہ ورانہ وکالۃ بالخصومہ کی اصلاح کی جائے۔ (ظفر احمد عثمانی، اعلا السنن، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالخصومۃ، ۱۵/۳۴۵، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۱۹۹۷ء)

○ **پیشہ ورانہ تعلیم قانون:** اگرچہ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کرنا کوئی بہت پسندیدہ کام نہیں کہا گیا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں عامۃ الناس اپنے معاملات کو قانون سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے عدالت میں خود پیش نہیں کرسکتے، کیونکہ دعویٰ دائر کرنے کے لیے ایک

خاص طریقہ مروج ہے اور عامۃ الناس اس طریقے سے ناواقف ہیں۔ علاوہ ازیں عدالت میں پیشے کے لیے وکیل کا کسی مسلمہ یونی ورسٹی سے قانون کی ڈگری کا حاصل ہونا بھی ضروری ہے۔ وکالت کو بطور پیشہ معاشرے نے قبول کرلیا ہے' اب اس کو ختم کرنا ممکن بھی نہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اس پیشہ کی اصلاح پر توجہ دی جائے۔ قانون کا پیشہ اختیار کرنے کا ارادہ رکھنے والے طلبہ کے لیے مخصوص مضامین میں نمایاں کامیابی ضروری قرار دی جائے۔ مزید یہ کہ ایل ایل بی کے نصاب میں ادب القاضی کے عنوان سے مستند فقہی کتب شامل کی جائیں کیونکہ موجودہ نصاب کے تحت قانون کی تعلیم کی تدریس تو ہوجاتی ہے لیکن شریعت نے افسران عدالت کے اخلاقی رویے کے لیے جو تعلیمات دی ہیں وہ نہ تو موجودہ نصاب کا جزو ہیں اور نہ کورس کے اختتام پر ہی زائد لیکچرز کے ذریعے طلبہ کو بتائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ قانون کی تعلیم کے رائج الوقت نصاب پر نظرثانی کی جائے۔

فراہمی انصاف میں وکلا کا کردار: تاخیر سے عدل کی فراہمی سے خود عدل کے تقاضے مجروح ہوتے ہیں اور فریقین میں اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ عدل رسانی میں تاخیر' عدل کی نفی کے مترادف ہے۔ ایسے معاشرے میں فوری انصاف بھلا کیسے ممکن ہے جہاں کامیاب وکیل وہ شمار ہوتا ہے جو لمبی پیشی دلوانے میں کامیاب ہوجائے۔ بلا تاخیر انصاف کی فراہمی وکلا کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں اور یہ تبھی ممکن ہے جب وکلا اپنے حقیقی منصب اور ذمہ داری کا پاس کریں۔ وکلا کے حقیقی فرائض حسب ذیل ہیں: • اپنے حقوق سے ناواقف افراد کی طرف سے وکالت کر کے ان کو استحصال سے بچانا • عوام میں ان کے حقوق اور ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنا • مظلوم کی مدد کرنا اور غاصب و جابر کو عدالتی استقرار حق کے ذریعے مظلوم کا حق دینے پر مجبور کرنا • عدالتی معاملات میں معاونت' یعنی عدل کی بنیاد پر فریقین کے مابین مصالحت میں تعاون کرنا • تنازعات کو نمٹانے اور قانون کی تشریح میں عدالت کی معاونت • خائن افراد کی وکالت قبول کرنے سے انکار کے ذریعے سے معاشرے میں دیانت داری' سچائی اور نیکی کو فروغ دینا۔

پیشۂ وکالت کو اصلاً مندرجہ بالا فرائض کا پابند ہونا چاہیے لیکن شومئی قسمت اس پیشے کے تقدس کو بحال نہیں رکھا گیا۔ اکثر وکلا زیادہ مقدمات لینے کی وجہ سے مناسب تیاری نہیں کرپاتے

جس کی وجہ سے یا تو تاریخ لی جاتی ہے یا پھر صحیح طور پر دلائل نہیں دیے جاسکتے اور اس طرح اپنے حقیقی فرائض سے خیانت کرتے ہیں۔ موجودہ وکالت کی ایک بڑی خرابی جو فراہمی انصاف میں تاخیر کا سبب بنتی ہے وہ یہ ہے کہ پیشۂ وکالت سرمایہ دارانہ نظام کا ایک حصّہ ہے۔ جس کی جیب بھاری ہو وہی اس نظام سے استفادہ کرسکتا ہے۔ غریب آدمی یا تو اس سے محروم رہتا ہے یا اپنی ساری جمع پونجی وکیل صاحب کے حوالے کردیتا ہے اور رہی سہی کسر وکیل صاحب کے منشی حضرات نکال دیتے ہیں جو ہر پیشی پر نقول کے نام پر ہزاروں روپے اینٹھ لیتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ پیشہ وکالت بذاتہ درست اور مستحسن ہے لیکن بوجوہ خراب اور غیر مستحسن ہے۔ لہٰذا اس پیشے کا تقدس بحال رکھنے کے لیے طریقہ تدریس اور نصاب تدریس پر نظرثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

○ **عدالتی امور میں اُردو کی حوصلہ افزائی:** انصاف رسانی کے نقطۂ نظر سے یہ ضروری ہے کہ عوام اور اہلِ معاملہ خود قانون پڑھ اور سمجھ سکیں اور عدالتی کارروائی فریقین اور حاضرین سب سمجھ سکیں اور مطمئن ہوں کہ انصاف کا تقاضا پورا ہو رہا ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے اور عدالتی زبان لازماً اُردو ہی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ تمام قوانین کے مستند اُردو تراجم کرائے جائیں اور قوانین کے معیاری ایڈیشن حکومت کی نگرانی میں اور حکومت کی جانب سے شائع کیے جائیں اور آیندہ قانون سازی بھی اُردو میں کی جائے۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے مقتدرہ قومی زبان کے نام سے ایک ادارہ اسلام آباد میں قائم کیا ہے جو کتب کے معیاری اُردو تراجم فراہم کرنے میں کوشاں ہے، تاہم اس ادارے کی مزید سرپرستی اور سب سے بڑھ کر عملی اقدام اٹھانے کی ضرورت ہے۔ مزید برآں یہ کہ مقتدرہ قومی زبان کی طرف سے قانون کے جو تراجم سامنے آئے ہیں وہ عام فہم نہیں ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ان تراجم کے مقابلے میں انگریزی قوانین نسبتاً عام فہم، سادہ اور آسانی سے سمجھ میں آنے والے ہیں۔

موجودہ نصابِ تعلیم عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے۔ زبان شستہ اور عام فہم ہے۔ مشکل اور پیچیدہ عبارات سے حتی المقدور اجتناب کیا جاتا ہے لیکن ہماری عدالتوں میں مستعمل اُردو زبان انتہائی پیچیدہ، اُلجھی ہوئی اور متروک ہے۔ مزید یہ کہ انگریزی سے اُردو تراجم بھی انھی متروک الفاظ اور عبارات سے کیے گئے ہیں۔ اصحاب الرائے کو اس طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔

○ **حکم امتناعی کا غلط استعمال:** حکمِ امتناعی (stay order) کا غلط استعمال بھی انصاف میں تاخیر کا ایک بڑا سبب ہے۔ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جب حکم امتناعی جاری کیا جائے تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ فریقین اس کا غلط استعمال نہ کریں۔ بہترین طریقہ یہ ہے کہ اصل مقدمے کو جلد از جلد نمٹایا جائے' بالخصوص جن مقدمات میں حکم امتناعی جاری کیا گیا ہو۔ عام طور پر ماتحت عدالتیں ان مقدمات میں کارروائی آگے نہیں بڑھاتیں جن کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ فریقین نے اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کر لیا ہے۔ یہ طریقہ غیر مناسب ہے۔

○ **التوا کی درخواستیں:** انصاف کی فراہمی میں تاخیر کی وجہ سے عوام کا عدالتوں پر سے اعتماد کم ہوتا جا رہا ہے اور اس تاخیر کی ایک وجہ التوا کی درخواستیں ہیں۔ عدالتیں معمول کے مطابق التوا دے دیتی ہیں اور فریقین بھی معمول کے مطابق التوا کی درخواستیں دے دیتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ التوا کی درخواستوں کا سختی سے جائزہ لیا جائے۔ کوئی معقول عذر ہو تو التوا دینا چاہیے ورنہ نہیں۔ وکلا صاحبان اور جج حضرات اگر چاہیں تو باہمی تعاون سے التوا روک سکتے ہیں۔

○ **عدم تعمیل سمن:** سمن کی عدم تعمیل فصل خصومات میں تاخیر کا ایک بڑا سبب ہے۔ مدعا علیہ پر سمن کی تعمیل میں تاخیر فصل خصومات کی تاخیر پر منتج ہوتی ہے۔ موجودہ صورت حال کچھ یوں ہے کہ سمن کی عدم تعمیل کی صورت میں بیلف سمن کی پشت پر اپنا حلفیہ بیان عدالت میں اپنی اس تصریح کے ساتھ پیش کر دیتا ہے کہ مدعا علیہ پر سمن کی تعمیل نہ ہو سکی' یا مدعا علیہ لاپتا ہے یا تعمیل سمن سے انکاری ہے' جب کہ صورت حال کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کے بعد عدالت یک طرفہ کارروائی شروع کر سکتی ہے۔ یہ روز مرہ مشاہدے کی بات ہے کہ بیلف کا بیان محض رسمی ہوتا ہے اور یہ بیان دیتے ہوئے اسے اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ بات مناسب معلوم ہوتی ہے کہ بیان حلفی کی تصدیق حاکمِ عدالت کے روبرو ہوا کرے' تاکہ بیلف کو اپنے بیان کی صداقت' اس کے شرعی تقاضوں اور ذمہ داریوں کا احساس بوقت حلف مستحضر رہے اور یہ محض رسمی ضابطے کی کارروائی بن کر نہ رہ جائے' نیز یہ کہ مدعا علیہ اگر حاضر نہ ہو تو اس کی عدم موجودگی میں عموماً فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ عدالت میں اس کی حاضری کے لیے اشتہار جاری کرنے کے موجودہ طریق کار کو بدل کر اس کو

زبردستی حاضر کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ اگر اس کے باوجود مدعا علیہ حاضر نہ ہو تو اس کو گرفتار کر کے عدالت میں لایا جائے اور تعمیل سمن کے لیے جو میعاد مقرر ہے اس پر سختی سے عمل کیا جائے۔

○ **ماہرین کی آرا کا حصول:** عدالتی معاملات میں تاخیر کی ایک بڑی وجہ قرائن کی جانچ پڑتال مثلاً فنگر پرنٹس، خون کے دھبے اور تحریروں کی شناخت کے لیے تجزیہ گاہوں کی شدید کمی ہے۔ ان کی رپورٹس میں تاخیر فیصلے میں تاخیر پر منتج ہوتی ہے۔ ہر تحصیل کی سطح پر نہ سہی، کم از کم ہر ضلع کی سطح پر ایسی تجربہ گاہیں موجود ہوں جو ان مقاصد کے لیے استعمال کی جاسکیں، نیز متعلقہ افسر اپنی رپورٹ مقررہ مدت میں لازماً عدالت میں پیش کرنے کا پابند ہو۔

○ **زائد المیعاد دعووں کی سماعت:** دعویٰ محض زائد المیعاد ہونے کی وجہ سے اپنی حقیقت نہیں کھو دیتا بلکہ اس کا اثر صرف اتنا ہوتا ہے کہ مروجہ عدالتیں ایسے دعوے کو سننے سے انکار کر دیتی ہیں۔ البتہ مجلۃ الاحکام العدلیۃ کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ اگر مدعی بغیر کسی عذر شرعی کے ۱۵ سال تک اپنے حق کے حصول کے لیے سعی نہیں کرتا تو وہ یا اس کے ورثا اس مدت کے بعد اس حق کے حصول کے لیے دعویٰ نہیں کر سکیں گے۔ عدالت عظمیٰ پاکستان، شریعت اپیلیٹ بنچ کے فاضل جج، جسٹس (ر) محمد تقی عثمانی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے (1991 SCMR 2063) کہ زائد المیعاد دعووں کی وجہ سے اگر کسی کا حق ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو وہ کسی اور ذریعے سے اپنا حق حاصل کر سکتا ہے۔

مذکورہ فیصلے میں لفظ کوئی اور 'طریقے' سے کیا مراد ہے۔ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ فاضل جج یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مروجہ عدالتی نظام اور قوانین سے ہٹ کر اگر کوئی ممکنہ صورت ہو تو زائد المیعاد دعوے کی سماعت کی جائے۔ اس ضمن میں حسب ذیل تجاویز پر عمل کیا جاسکتا ہے:

۱- ہر ضلع کی سطح پر کم از کم ایک جج مقرر ہو جو صرف دعاوی اندر میعاد دائر نہ کرنے کی وجوہ کی سماعت کر کے اس بات کا تعین کرے کہ مدعی کے پاس دعویٰ دائر نہ کرنے کا معقول عذر تھا یا نہیں۔ عذرِ شرعی پر انسان قدرت نہیں رکھتا، لہٰذا وہ جج ایسے دعوے کی بغیر اضافی اخراجات اور جرمانہ کے سماعت کی سفارش کرے اور اسے متعلقہ عدالت میں ارسال کر دے۔ بصورتِ دیگر عدالت جرمانے یا جو بھی مناسب کارروائی ہو، کر سکتی ہے، تاہم دعوے کی سماعت ہر صورت کی

جائے۔ اس طرح بقیہ عدالتیں اپنے روز مرہ کے معمولات اور مقدمات کے تصفیے میں مصروف رہیں گی اور ان کا طویل وقت اس بات پر صرف نہیں ہوگا کہ دعویٰ زائد المیعاد ہے یا اندر میعاد ہے۔

۲- یہ بھی ہوسکتا ہے ایسے مقدمات کو ثالثی کے ذریعے طے کرلیا جائے' لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب دوسروں کا مال ناحق کھانے کی جواب دہی کی فکر اور دل میں خدا خوفی ہو۔

۳- ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ایسے مقدمات کو سیاسی سطح پر جوڑ توڑ کر کے نمٹا لیا جائے۔ مذکورہ تینوں صورتوں میں سے جو بھی ممکن ہو اس سے متعلقہ عدالت کو باخبر کر دیا جائے اور عدالت اس فیصلے کی توثیق کر کے اس کا اجرا کر دے تاکہ بعد میں کوئی تنازعہ پیدا نہ ہو۔

○ **پولیس کی اصلاح:** انصاف کی فراہمی پولیس کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ خاص طور پر فوجداری انصاف میں پولیس کی اصلاح بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ جب تک بنیاد درست نہیں ہوگی جو عمارت بھی بنائی جائے گی وہ ناپایدار اور ناہموار ہوگی۔ فراہمی انصاف میں یہی حیثیت انتظامیہ کی ہے۔ جب تک انتظامیہ منصف مزاج نہ ہوگی لوگ انتظامیہ کے ظلم کا شکار رہیں گے۔ دیوانی انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مقدمات اور ججوں کی تعداد میں بہت زیادہ عدمِ تناسب ہے اور اسے ضرورت کے مطابق ججوں کی فوری اور بلاتاخیر مزید تقرری سے ہی پورا کیا جاسکتا ہے لیکن پولیس اور متعلقہ شعبہ جات کی اصلاح کے بغیر فوجداری انصاف کا حصول ممکن نہیں۔

حاصلِ کلام یہ کہ اللہ رب العالمین حاکمِ تشریعی بھی ہے۔ جس طرح اس نے انسان کی مادی زندگی کو بحال رکھنے کا بندوبست کیا ہے' اسی طرح اس کی روحانی اور تمدنی زندگی کے لیے کامل اور مبنی بر عدل نظامِ حیات بھی دیا ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے کے لیے قوانین و ہدایات موجود ہیں۔ اس کے احکام و قوانین کسی خاص فرد' قبیلے یا قوم کی خواہشات و اغراض کے تابع نہیں ہیں' بلکہ پورے نوع انسانی کی مصلحت پر مبنی ہیں۔ خلافتِ الٰہی اور نیابتِ خداوندی کے ساتھ سب سے پہلا فریضہ جو انسان کے سپرد کیا گیا ہے وہ لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا ہے' لہٰذا ایک آزاد عدلیہ کا قیام اسلامی حکومت کے لیے فرضِ عین کا درجہ رکھتا ہے۔